انسدادِ منشیات میں سول سوسائٹی اور والدین کا کردار، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

قرآن مجید نے انسانوں کی بہبود اور ان کی فلاح کا منصوبہ اپنی تعلیمات میں جا بجا پیش کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو معاشرے کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے انہیں یایہا الذین امنوا کے صیغے سے جگہ جگہ مخاطب کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ تحریم (آیت نمبر ۶ میں) فرمایا گیا۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔ یہ جہنم، جو آخرت کے لیئے بیان ہوئی ہے۔ بہر حال اس سے بچنے کی تیاری اسی دنیا میں ہوتی ہے۔ سو جس طرح گھروں کے بڑے یعنی والدین اپنی اولاد کو جہالت، غربت اور مختلف امراض کے جہنم سے بچانے کی سعی کرتے ہیں۔ اسی طرح انہیں اپنی مستقبل بینی سے جہنم کی آگ سے بھی بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وہ اصل آگ ہے، جس سے بچانے کی کوشش میں وہ اپنی اولاد کو ہر دنیاوی آگ سے بھی بچا سکتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ وہ اپنی اولاد کو منشیات کی آگ سے بھی بچانے میں اس آگ سے بچانے کے سبب کامیاب ہو سکتے ہیں تو شاید غلط نہ ہو۔ اور یہ وہ آگ ہے جس سے بچانا نہ صرف والدین بلکہ پوری سول سوسائٹی کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

قرآن مجید نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے، جو منکر کو اپنے سامنے پھلتا پھولتا ہوا دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔ ایسی خاموشی نہ صرف معاشرتی جرم ہے بلکہ قابلِ مذمت فعل بھی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وہ لوگوں کو منکر سے نہیں روکتے تھے، پس کیا ہی بُرا تھا، جو وہ کرتے تھے۔ (المائدہ ۵/۷۹) اسی طرح ایک اور جگہ پر آتا ہے۔ انہیں علماء اور مشائخ ان کی غلط باتوں اور بُرے کاموں سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بلاشبہ وہ (برائی کے خلاف آواز بلند نہ کرکے) جو کچھ تیار کر رہے ہیں وہ بہت بُرا ہے۔ (المائدہ ۵/۶۳) یہ وہ قرآنی ہدایات ہیں، جو معاشرے

کے سدھار میں سول سوسائٹی اور والدین کے کردار کو واضح کرتی ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے زمانۂ بعثت میں، جو نشہ آور مشروب پانی کی طرح لوگوں کی زندگی میں استعمال ہوتا تھا، وہ مشروب خمر تھا۔ اور قرآن مجید نے اسی خمر کو بنیاد بنا کر انسانوں کی آئندہ زندگی میں داخل ہونے والی تمام منشیات کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے اور یہ حقیقت خود لفظ خمر سے ظاہر ہے۔ خمر اس چیز کو کہتے ہیں، جو عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے۔ خمر الشیء یخمرہ، اس کو چھپا دیا، ڈھانپ دیا۔ خمر فلان الشھادۃ، فلاں نے گواہی کو چھپا دیا۔ اسی طرح خَمَرٌ اوٹ، آڑ اور پردے کو کہتے ہیں، اور خِمارٌ اس اوڑھنی کو جس سے عورتیں اپنے سر کو ڈھانپ لیتی ہیں اس کی جمع خُمُرٌ آتی ہے۔ (سورۂ نور/۳۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا: اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ، خمر اسے کہتے ہیں، جو عقل میں فتور پیدا کر دے۔ اسی سے الاستخمار کا لفظ بنا ہے، اس کے معنی ہیں، غلام بنانا۔ اس لئے کہ کسی کو غلام بنانے کے لیئے اس کی عقل کو سلب کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ ”جمہور کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر کی تعریف میں آتی ہے اور حرام ہے۔“ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، بذیل مادۂ خمر) لہٰذا ہر وہ شے، جس کا تعلق اکل و شرب سے یا تمباکو کشی سے ہو، وہ اگر اپنے اثر میں خمر جیسی ہو تو وہ اپنے حکم میں بھی خمر جیسی ہوگی۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ خمر کی حرمت قطعی ہوگی اور غیر خمر کی ظنی۔ مگر اس سے حرمت کے ثبوت اور اس کے اثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس تعریف میں ہر دور کے نشہ آور مشروبات، ٹھوس شکل میں منشیات اور گیس یا دھوئیں کی شکل میں بھی کوئی ایجاد، اگر ممکن یا موجود ہو تو وہ بھی اسی میں شامل ہوگی۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ہر نشہ آور اور سست و کمزور کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔ (ابو داؤد، حدیث نمبر ۳۸۸۶)

منشیات کو اس پہلو سے بھی دیکھئے۔ قرآن مجید میں و عاشروھن بالمعروف (النساء ۴/۱۹) کے الفاظ آتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ مردوں کی معاشرت بہترین ہونی چاہیے۔ اچھی معاشرت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ کوئی نشہ نہ کریں، یہاں تک کہ سگریٹ کشی بھی نہ کریں، کیونکہ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ عورتوں کو سگریٹ کی بو، سخت ناگوار لگتی ہے۔ اس لئے سگریٹ کا استعمال اپنی اہلیہ سے اچھی معاشرت کے سبب ترک

کرنا، ازروئے قرآن کریم لازم قرار پاتا ہے۔ پھر جس طرح یہ عمل گھر میں بچوں اور اہلیہ کے لیئے باعث تکلیف سمجھا جاتا ہے اسی طرح باہر کی دنیا میں دوسرے لوگوں کے لیئے بھی باعث اذیت ہونے کے سبب لائق ترک ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ منشیات تو پھر منشیات ہیں۔ خدا کی شریعت تو منشیات کے مقدمات تک کو گوارا نہیں کرتی۔

خدا کی شریعت سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام انسانوں کو مستقبل بین اور جہاں بین بنانے کے لیئے تشریف لاتے ہیں اور جو لوگ ان خصوصیات سے متصف ہو جاتے ہیں وہی مومن کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ مستقبل بین کا مطلب ہوتا ہے Futurist یعنی آنے والی زندگی پر نظر رکھنے والا۔ چنانچہ جو شخص صحیح معنی میں مستقبل بین ہوگا۔ وہ منشیات تو کجا، کسی بھی مسکر کا عادی نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح جہاں بین کا مطلب ہوتا ہے دوسروں کی تکلیفوں اور مصیبتوں پر غم زدہ اور پریشان ہونے والا۔ یہ Self Centered کی ضد ہوتا ہے۔ گویا بقول شاعر۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جہاں بین دراصل اپنی ذات کے حصار سے باہر آکر جیتا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لیئے کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ وہ سارے زمانے کا خیر خواہ ہوتا ہے، وہ سبھوں کی بھلائی چاہتا ہے اور جب کوئی شخص ان ہر دو خصوصیات سے بہرہ ور ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ وہ قرآن مجید کا مطلوب انسان بن گیا ہے، اور یہی وہ انسان ہے جو اپنے لیئے نہیں دوسروں کے لیئے جیتا ہے۔ گویا!

اپنے لیئے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

سول سوسائٹی دراصل ایسے ہی لوگوں سے عبارت ہے۔ جس معاشرے میں یہ سوسائٹی متحرک ہو جائے، وہاں جرائم کی شرح یقیناً کم ہو جاتی ہے۔ منشیات جیسی لعنت سے بچنے کے لیئے اس قرآنی فکر کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

شہید کا معنی ومفہوم

محترم ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنے مضمون "شہادت وہلاکت" (مطبوعہ ۱۲ مارچ ۲۰۰۲ء، روزنامہ جنگ، کراچی) میں بہت عمدہ ابحاث تحریر فرمائے ہیں۔ جو علمی دلائل سے مالا مال ہیں۔ اتنا عمدہ پُرمغز اور فکر انگیز مضمون لکھنے پر وہ دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اس ضمن میں میری بھی کچھ معروضات ہیں، جنہیں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ مذکورہ ابحاث مزید آگے بڑھ سکیں۔

سب سے پہلے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم کے مطابق قرآن مجید میں لفظ شہید پندرہ جگہ، شہیدا بیس جگہ، شہداء اٹھارہ جگہ اور لفظ شہادۃ تیس جگہ آیا ہے۔ شہید کا مادہ (ش،ہ،د) ہے۔ اور شَہِدَ یَشْہَدُ (باب سَمِعَ یَسْمَعُ) سے متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً شَہِدَ یَشْہَدُ کا ایک معنی حاضر ہونے یاموجود ہونے کے ہیں۔ اس لئے شہادۃ ایسی حقیقت کو کہتے ہیں جو بصارت یا بصیرت کی بناء پر بلا کم وکاست بیان یا حاضر کردی جائے۔ (المفردات فی غریب القرآن) اور ایسا کرنے والے کو شاہد یا شہید کہا جاتا ہے۔ پھر اسی مادّہ سے مشاہدہ کا لفظ بنا ہے۔ جس کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے آتے ہیں اور اس معنی پر اگر مفہوم کا اضافہ کرلیا جائے تو یہ لفظ کسی بھی چیز، حقیقت یا واقعہ کا (آنکھوں کے ساتھ ساتھ) دیگر حواس کی گرفت میں آجانا، معنی کے توسع پر دلیل بن سکتا ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید میں "شہادۃ" کا لفظ "غیب" کے مقابلے پر بولا گیا ہے۔

دیکھئے! عالم الغیب والشہادۃ (سورۃ الحشر/۲۲) شَہِدَ کے معنی حاضر ہونے یاموجود ہونے کے ساتھ ساتھ، گھر پر موجود ہونے کے بھی لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ روزوں کی فرضیت کے ضمن میں جو آیا ہے۔ فمن شہد منکم الشھر فلیصمہ۔ (البقرہ/۱۸۵) تو اس کا ایک معنی یہ بھی ہے، تم میں سے جو حالت سفر میں نہ ہو۔ یعنی گھر پر موجود ہو، وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔ شہد کے معنی گواہی دینے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے آتا ہے۔ لم شہدتم علینا۔ (حٰم السجدہ/۲۱) تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ اور اس لئے شہید، گواہ کو بھی کہتے

ہیں مثلاً دیکھئے البقرہ/۲۸۲۔ شَہِدَ کا معنی فیصلہ کرنے کے بھی آتے ہیں جیسے وشَہِدَ شاھد من اھلھا۔ (یوسف/۲٦) اور ان کے اہل میں سے ایک فیصلہ دینے والے نے فیصلہ دیا۔ شہید بمعنی مددگار بھی آتا ہے۔ وادعُوا شُھدآئکم۔ (البقرہ/۲۳) اور تم اپنے مددگاروں کو بلالو۔ شہید، اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی ہے۔ ان اللہ علیٰ کل شیءٍ شھید۔ (سورۃ الحج/۱۷) اس کا مطلب ہے ہر چیز اس کے سامنے ہے، یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس سے غائب ہو اور رسول اکرم ﷺ کا بھی ایک صفاتی نام شہید ہے۔ ویکون الرّسول علیکم شھیدا۔ (البقرہ/۱۴۳) مگر اس کا وہ مطلب ہرگز نہیں، جو اللہ تعالیٰ کے تعلق سے بیان ہوا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب ہے، رسول اپنی امت کے اعمال (Activity) کا نگران بنایا گیا ہے بلکہ قرآن کریم نے پوری کی پوری ملتِ اسلامیہ کو "شھدآء علی الناس" فرمایا ہے (البقرہ/۱۴۳) یعنی تمام انسانوں کے اعمال (Activity) پر نظر رکھنے والی اُمت۔ دنیا جہاں کے لوگوں کی نگراں اُمت۔ خدا کی راہ میں جان دینے والوں کو جو شہید کہا جاتا ہے۔ تو یہ اصطلاح قرآن کریم نے صرف ایک جگہ استعمال کی ہے اور وہ جگہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۴۰ ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا۔ (اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے تو یاد رکھو کہ ان لوگوں (یعنی کافروں) کو بھی اسی طرح کا زخم لگ چکا ہے اور یہ وہ ایام ہیں، جنہیں ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں اور یہ اسلئے ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کی پہچان کرادے۔ اور تم میں سے بعض کو مرتبۂ شہادت پر فائز کرے۔

راقم کے نزدیک ایک ہی وہ آیت ہے جس میں لفظ شُہداء (جمع شہید) بمعنی مقتول استعمال کیا گیا ہے اور اس معنی کا تعین کسی دلیل خارجی کا محتاج بھی نہیں، بلکہ سیاق کلام اپنے قرینے سے معنیٰ مقتول کو خود واضح کر رہا ہے۔ آیت بالا کا ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے لفظ شہید سے ہی کیا ہے اور جہاں تک سورۃ النساء کی آیت نمبر ٦۹ کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ محترم ڈاکٹر عبدالقدیر نے بھی لکھا ہے کہ "یہاں شہدا بمعنی مقتول آیا ہے" مگر قرینہ یا سیاق کلام اس مفہوم کا ساتھ نہیں دیتا۔ زیادہ سے زیادہ اس مفہوم کو بہ رنگِ تاویل قبول کیا جاسکتا ہے نہ کہ بہ رنگِ تفسیر۔ ویسے راہِ خدا میں مرنے والوں یا قتل ہونے والوں کو بہت نمایاں اور واضح کرتے

ہوئے شہید یا شُہداء کے مقابلے میں لفظ احیاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دیکھئے البقرہ/۱۵۴، آلِ عمران/۱٦۹۔ اور یہ لفظ اپنے خصوص اور اضافی معنی ومفہوم کی وسعتوں کے ساتھ زیادہ بلیغ ہے مگر حیرت ہے کہ یہ لفظ اپنے اطلاقی مفہوم میں زیادہ صریح ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں رواج نہ پاسکا۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے ویسے راقم الحروف محترم ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی اس بات سے سوفیصد متفق ہے کہ ہمارے معاشرے میں قرآن مجید کی اصطلاحات اور الفاظ کو نہ صرف غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے بلکہ ان کو کلام الٰہی کے برخلاف بھی استعمال کیا جاتا ہے اور لفظ شہید اس کی ایک واضح مثال ہے۔

(مدیر اعلیٰ)

علمی وفکری شخصیات نمبر

التفسیر کا آئندہ شمارہ "علمی وفکری شخصیات نمبر" ہوگا۔ جس کی ضخامت ۳۵۰ صفحات اور قیمت ۳۰۰ روپے ہوگی۔ درج ذیل شخصیات پر مقالات موصول ہوچکے ہیں:

امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، سر سید احمد خان، علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا عبدالعلیم صدیقی، علامہ محمد اسد، ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر محمد حمیداللہ، علامہ احمد سعید کاظمی، ڈاکٹر مرتضیٰ مطہری، ڈاکٹر رفیع الدین، علامہ شاہ احمد نورانی، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

ان شخصیات کے علاوہ اگر آپ کسی علمی شخصیت پر مقالہ لکھنا چاہیں تو مجلس التفسیر سے رابطہ کرسکتے ہیں۔

برائے رابطہ: ڈاکٹر محمد سہیل شفیق Cell No. 0300-2268075

Email: msshafiq@uok.edu.pk

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۲۰، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

کیا غیر مذاہب کے تمام پیروکار باطل پرست ہیں؟

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج

Abstract

The way Quran has portrayed the Non-Muslims in its time of revelation has contineously been a subject of uderstanding the Quran which is multi dimentional in its vastness. Unfortunately, on a popular level it has been presented purely in a negative way and even more worse is that on the basis of this negative attitude, a wearisome war with the followers of other religions has been triggered. Ironically, by giving a title of "active Jihad" to this useless war, it is regarded as such a necessary requirement of the Quranic values which must be concluded in the form of political power. That is why all the struggle of the religious extremists is mostly focussed on gaining political

power.

Apart from the Quranic concept of Jihad, here we have to see only this point that the Quran has divided the followers of other faiths in two categories. First includes those who oppenly opposed the Muslims out of prejudice, and Second includes those who did not show any practical hostility like the first one. The former were called 'the infidels' while the later were called 'the non-Muslims' in the perspective of Islam and sometimes called 'the Muslims' in their own perspective.

The Quran has mentioned these followers of the later category in a very positive manner. Here we want to present some verses regarding this Quranic approach as an example. We feel that this precise collection of verses might be a beginning of a new Scholasticism (Ilm-ul-kalam) for the discussion with all the world religions, as well as a means of a positive introduction of the Quran to the west. My article is a reflection of such sincere sentiments and it should be seen in this context.

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری الہامی کتاب ہے جس کے بعد صبح قیامت تک اب کوئی الہامی کتاب آنے والی نہیں۔ یہ ہمارے لیے اصولی ہدایات کا آخری سہارا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے جملہ معاملات میں اصولی ہدایات یہیں سے اخذ کرنا ہوں گی۔ سو اسی سہارے پر مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

قرآن مجید نے اپنے زمانۂ نزول میں غیر مذاہب کے ماننے والوں کو جس رنگ میں دیکھا اور لوگوں کو دکھایا ہے۔ وہ قرآن فہمی کا ایک مستقل موضوع ہے اور اپنی وسعتوں کے اعتبار سے ہمہ جہت بھی۔ بدقسمتی سے عمومی سطح پر اس موضوع کو خالصتاً اور کلیۃً منفی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس بنیاد پر غیر مذاہب کے پیروکاروں سے ایک تھکا دینے والی جنگ شاید غلط یا پھر غیر ضروری طور پر چھیڑ دی گئی ہے، جسے ستم ظریفی سے اقدامی جہاد کا عنوان دے کر قرآن کی کوئی ایسی مطلوبہ قدر بنادیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ حکومتی اقتدار کی صورت میں ظاہر ہو۔ اسی لیے اب اکثر مذہبی شدت پسندوں کی تمام تگ و دو کا محوری نکتہ حصول اقتدار ہے۔

قرآن کے تصور جہاد سے قطع نظر کہ وہ اس ضمن میں مسلمان کو کیا تفصیلی ہدایات دیتا ہے سردست ہمیں اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ قرآن نے غیر مذاہب کے پیروکاروں کو شروع سے ہی دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس سے از روئے حسد و بغض اور تعصب و جہالت مخالفت کا سامنا ہوا اور دوسرا وہ جس کی طرف سے عملاً ایسا کوئی معاندانہ رویہ سامنے آیا۔ ان میں سے پہلا حصہ کفار کہلایا جبکہ دوسرا حصہ اسلام کے تناظر میں غیر مسلم اور خود اپنے تناظر میں بعض حالات میں مسلم کہلایا۔

قرآن مجید نے غیر مذاہب کے انہی پیروکاروں کا نہایت قطعیت کے ساتھ مثبت انداز اور امید افزا لہجے میں ذکر فرمایا ہے۔ سردست ہم اسی تعلق سے چند آیات بطور نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مختصر سا مجموعۂ آیات دراصل تمام مذاہب سے مکالمے کے لیے جدید علم کلام کا ایک امید افزا عنوان ہے اور مغرب میں قرآن مجید کے مثبت تعارف کا ایک ذریعہ بھی۔ میرا یہ مضمون اسی دردمندانہ جذبے کا آئینہ دار ہے۔ از راہ کرم اسے اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

(۱) لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا(۱)

لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے اور ایمان والے ہیں وہ اس (وحی) پر ایمان لائے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور (خصوصیت کے ساتھ) صلوٰۃ قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں بعض یہود و نصاریٰ کو راسخون فی العلم اور مومنون کے وصف کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ گویا انھیں اپنے مذہب کا پہلے سے سچا مومن قرار دے کر قرآن پر ایمان لانے والا بتایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر مذہب میں سچے اور اچھے لوگ ضرور ہوتے ہیں اور وہ اپنے مذہب کے مومن ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو ایک لکڑی سے ہانکنا خود قرآن کے خلاف ہے۔ کسی بھی مذہب کا اچھا آدمی بہر حال اچھا ہوتا ہے اور کسی بھی مسلک ونظریے کا برا آدمی بہر حال برا ہوتا ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے فی زمانہ اسے سمجھنے کی شدید ضرورت ہے۔

جس طرح دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بعض یہود و نصاریٰ اپنے علم میں راسخ اور مومن تھے یعنی بُرے مقلد کے طور پر اگلوں کے پیچھے چلنے والے نہیں بلکہ تحقیق پسندانہ رویے کے باعث قرآن کریم پر ایمان لانے والے بنے۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، زید بن سعید اور اسید بن عبید وغیرہم۔ اسی طرح زمانہ مابعد میں بھی ایسے راسخون فی العلم اور مومنون کا وجود غیر مستبعد ہرگز نہیں۔ یقیناً آج بھی اہل کتاب میں سے جو بھی راسخون فی العلم اور مومنون ہوں گے وہ ایک نہ ایک دن ضرور قرآن کریم پر ایمان لے آئیں گے۔ ماضی قریب و بعید میں اہل کتاب کے متعدد اصحاب علم وفضل نے اسلام قبول کیا

ہے۔ ہوریس بوکائے، علامہ اسد، مارماڈیوک پکتھال جیسے بیسیوں نام ہماری تاریخ میں ہیرے کی طرح جگمگا رہے ہیں اور مستقبل قریب میں کتنے علمائے یہود و نصاریٰ مشرف بہ اسلام ہونے والے ہیں، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ واضح ہے کہ راسخون فی العلم سے مراد علماء اور المومنون سے مراد عام متبعین ہیں اور یہ دونوں اہل کتاب سے تعلق رکھنے والے گروہ تھے۔

(۲) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۴)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی پیروی کرتے ہیں، جیسا کہ پیروی کا حق ہے۔ یہی لوگ اس (قرآن) پر (بھی) ایمان لائیں گے اور جو اس کا انکار کریں گے تو وہی لوگ گھاٹے والے ہیں۔

بعض مترجموں نے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق مسلمانوں کو قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔ اگر یہ مصداق درست سمجھا جائے تو پھر اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کا مطلب ہوگا کہ صرف یہی وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآن مجید کو سمجھ کر عمل کرنے کی نیت سے پڑھنے والے ہی مومن ہوتے ہیں۔ اس مطلب کی رو سے مومن کا ایمان اس کے عمل تلاوت اور پیروی پر منحصر ہوگا۔ ہم نے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ مفتی تقی عثمانی کا ترجمہ بھی اس مفہوم پر مشتمل ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

Those to whom we have given the book and they recite observing the rights of its recitation. (۳)

اور جن لوگوں نے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق صالحین اہل کتاب کو قرار دیا ہے ان کی دلیل اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ مضارع کا صیغہ ہے جس میں ان کے ایمان لانے کی خبر دی گئی ہے اور اس طرح ان کے ایمان کو ان کی اپنی کتاب (خواہ وہ توریت ہو یا انجیل یا پھر کوئی اور) کی تلاوت کرنے پر منحصر کیا گیا ہے۔ ان دونوں مفاہیم کو تقی عثمانی نے اپنے حاشیہ میں بایں الفاظ درج کیا ہے۔

According to a report from the blessed sahabi Ibn Abbas(R.A), this verse was revealed on the occasion

of the arrival of forty christians from Abyssinia who had accepted Islam. But other commentators believe that " those to whom we have given The Book, are the blessed sahabah(R.A) and the book is the Holy Quran. As for reading the book "observing the rights of its recitation," it means correctly and clearly, and keeping the fear and love of Allah present in ones heart while reading and also the resolve to follow divine guidance and to obey divine commandments. The blessed second Khalifah (caliph) Umar (R.A) has said that reading the Holy Quran " observing the rights of its recitation" requires that when one comes to a description of Paradise, one should pray to Allah for granting one this abode. And when one finds a description of Hell, one should seek Aallah's protecion from it. (۴)

(۳) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ (۵)

جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان میں کا ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے۔

یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے، سب کو نہیں۔ اس سے یہ بات خود بخود نکلی کہ سب اہل کتاب ایک جیسے نہ تھے، ان میں ایسے بھی تھے جو حق کو بالکل نہیں چھپاتے تھے۔ انہی میں عبداللہ بن سلام جیسے لوگ بھی شامل تھے۔

(۴) وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ